اسلام کس چیز کا علمبردار ہے

(اپریل کے آغاز میں اسلامک کونسل آف یورپ لندن میں ایک کانفرنس کر رہی ہے۔ یہ مقالہ اُسی کی فرمائش پر لکھ کر بھیجا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ اپنی بیماری کے باعث میں خود وہاں نہ جا سکا)

۱۔ ابتداء ہی میں یہ وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ ہمارے عقیدے کے مطابق اسلام کسی ایسے دین کا نام نہیں ہے جسے پہلی مرتبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا ہو اور اِس بنا پر آپ کو بانیٔ اسلام کہنا صحیح ہو۔ قرآن اس امر کی پوری صراحت کرتا ہے کہ خدا کی طرف سے نوعِ انسانی کے لیے ہمیشہ ایک ہی دین بھیجا گیا ہے، اور وہ ہے اسلام — خدا کے آگے سرِ اطاعت جُھکا دینا۔ دُنیا کے مختلف حصّوں اور مختلف قوموں میں جو انبیاء بھی خدا کے بھیجے ہوئے آئے تھے، وہ اپنے کسی الگ دین کے بانی نہیں تھے کہ ان میں سے کسی کے لائے ہوئے دین کو نُوحیّت، اور کسی کے دین کو ابراہیمیت، یا موسویت، یا عیسائیت کہا جا سکے۔ بلکہ ہر آنے والا نبی اُسی ایک دین کو پیش کرتا رہا جو اُس سے پہلے کے انبیاء پیش کرتے چلے آرہے تھے۔[1]

۲۔ انبیاء میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت دراصل یہ ہے کہ (۱) وہ خدا کے آخری نبی ہیں۔ (۲) ان کے ذریعہ سے خدا نے اُسی اصل دین کو پھر تازہ کر دیا جو تمام انبیاء کا لایا ہوا تھا۔ (۳) اُس میں جو آمیزشیں مختلف زمانوں کے لوگوں نے کر کے الگ الگ مذاہب (RELIGIONS) بنا لیے تھے اُن سب کو خدا نے چھانٹ کر الگ کر دیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے اصلی اور خالص اسلام کی تعلیم نوعِ انسانی کو دی۔ (۴) اُن کے بعد چونکہ خدا کو کوئی نبی بھیجنا نہیں تھا اس لیے اُن کو جو کتاب اُس نے دی اُسے اُس کی اصل زبان میں لفظ بلفظ محفوظ کر دیا،[2]

---

[1] الاحقاف: ۹ — آل عمران: ۱۹، ۶۷، ۸۳ تا ۸۵ — یونس: ۷۲، ۸۴ — البقرہ: ۱۲۸، ۱۳۱ تا ۱۳۳ — یوسف: ۱۰۱ — المائدہ: ۴۴، ۱۱۱ — النمل: ۴۴ —

[2] الاحزاب: ۴۰ — الشوریٰ: ۱۳ — آل عمران: ۸۴ — البیّنۃ: ۱، ۲، ۳ — الحجر: ۹ — البروج: ۲۲ —

تاکہ انسان ہر زمانے میں اس سے ہدایت حاصل کر سکے۔[۱] (۵) خود اُن کی سیرت اور سنّت کو صحابہؓ اور بعد کے محدثین نے ایسے بے مثل طریقے سے محفوظ کر لیا جس سے زیادہ محفوظ طریقہ سے کبھی کسی نبی یا کسی اور تاریخی شخصیت کے حالاتِ زندگی اور اس کے اقوال و اعمال محفوظ نہیں کیے گئے۔[۲] (۶) اس طرح قرآن مجید اور اس کے لانے والے نبی کی مستند سیرت و سنّت، دونوں باہم مل کر ہمیشہ کے لیے یہ معلوم کرنے کا قابلِ اعتماد ذریعہ بن گئے ہیں کہ

---

[۱] قرآن مجید کے متعلق یہ امر ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ یہ بلا کسی تغیّر و تبدّل کے ٹھیک وہی قرآن مجید ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا۔ اس کے نزول کے وقت ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو لکھواتے رہے تھے اور یہ سلسلہ آپؐ کی وفات تک جاری رہا۔ اس مکمل قرآن مجید کو آپؐ کے پہلے خلیفہ نے ایک کتاب کی شکل میں نقل کرا کے محفوظ کر لیا اور پھر تیسرے خلیفہ نے اس کی نقلیں تمام اسلامی دُنیا کے مراکز میں بھیج دیں۔ اُس وقت سے لے کر آج تک ہر ملک اور ہر صدی کے مکتوبہ اور مطبوعہ قرآن جمع کر کے دیکھ لیا جائے، ان میں کوئی فرق نہیں پایا جائے گا۔ اس کے علاوہ نماز میں قرآن مجید پڑھنے کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے پہلے ہی دن سے دے دیا گیا تھا۔ اس لیے سینکڑوں صحابہ کرام نے پورا قرآن مجید، اور تمام صحابہ کرام نے اس کا کوئی نہ کوئی حصّہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں یاد کر لیا تھا۔ اُس وقت سے آج تک قرآن مجید کو لفظ بلفظ یاد کرنے اور ہر سال رمضان کی نماز تراویح میں پورا قرآن مجید زبانی سُنانے کا سلسلہ پوری اسلامی دنیا میں رائج چلا آ رہا ہے اور ہر زمانے میں لاکھوں حافظ موجود رہے ہیں۔ دُنیا کی کوئی مذہبی کتاب بھی اس طرح نہ تحریری شکل میں مکتوب اور نہ حافظوں میں محفوظ ہوئی ہے کہ اس کی صحت میں شک کا ادنیٰ امکان ممکن ہو۔

[۲] مختصراً وہ طریقہ یہ تھا کہ جو شخص بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے کوئی بات بیان کرتا اُسے لازماً یہ بتانا پڑتا تھا کہ اُس تک کن راویوں کے ذریعہ سے وہ بات پہنچی ہے، اور روایت کا یہ سلسلہ کسی ایسے شخص تک پہنچتا ہے یا نہیں جس نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ بات سُنی ہو، یا آپؐ کو وہ کام کرتے دیکھا ہو۔ پھر جن جن راویوں کے ذریعہ سے یہ روایات بعد کے لوگوں تک پہنچیں ان کے حالات کی جانچ پڑتال کی گئی تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ ان کی بیان کی ہوئی روایات قابلِ اعتماد ہیں یا نہیں۔ اِس طرح احادیث کے مجموعے تیار کیے گئے جن کے مرتب کرنے والوں نے ہر حدیث کے راویوں کا پورا سلسلہ درج کر دیا، اور اس کے ساتھ راویوں کے حالات پر بھی کتابیں لکھ دی گئیں جن کی مدد سے آج بھی ہم یہ تحقیق کر سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کیسی تھی اور انہوں نے اپنے قول و عمل سے لوگوں کو کیا تعلیم دی تھی۔

خدا کا دین دراصل کیا ہے، کیا رہنمائی وہ ہمیں دیتا ہے اور ہم سے کیا چاہتا ہے۔

۳۔ اگرچہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں ـــــ اُن پر بھی جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے اور اُن پر بھی جن کا ذکر قرآن مجید میں نہیں آیا[1] ـــــ اور یہ ایمان ہمارے عقیدے کا ایسا لازمی عنصر ہے جس کے بغیر ہم مسلمان نہیں ہو سکتے[2]، لیکن ہدایت حاصل کرنے کے لیے ہم صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ کسی تعصب کی بنا پر نہیں ہے۔ دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ (۱) وہ آخری نبی ہیں اس لیے ان کی لائی ہوئی تعلیم خدا کی طرف سے جدید ترین ہدایت (LATEST DISPENSATION) ہے، (۲) اُن کے ذریعے سے جو کلام اللہ (WORD OF GOD) ہم کو پہنچا ہے وہ خالص اللہ کا کلام ہے جس کے ساتھ کسی انسانی کلام کی آمیزش نہیں ہوئی ہے۔ وہ اپنی اصل زبان میں محفوظ ہے، اس کی زبان ایک زندہ زبان ہے جسے آج بھی کروڑوں انسان بولتے، لکھتے اور سمجھتے ہیں، اور اس زبان کی گرامر، لغت، محاورے، تلفظ اور املا میں نزولِ قرآن کے زمانے سے اب تک کوئی تغیر نہیں آیا ہے، اور (۳) جیسا کہ ابھی میں بیان کر چکا ہوں اُن کی سیرت، اخلاق، کردار، اقوال اور اعمال کے متعلق پورا تاریخی ریکارڈ زیادہ سے زیادہ ممکن صحت، اور زیادہ سے زیادہ ممکن تفصیلات کے ساتھ محفوظ ہے۔ یہ بات چونکہ دوسرے انبیاء پر صادق نہیں آتی اس لیے ہم اُن پر صرف ایمان رکھ سکتے ہیں، عملاً اُن کی پیروی نہیں کر سکتے۔

۴۔ ہمارے عقیدے کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام دنیا کے لیے اور ہر زمانے کے لیے ہے۔ اس لیے کہ (۱) قرآن مجید اس کی صراحت کرتا ہے[3]۔ (۲) یہ اُن کے آخری نبی ہونے کا منطقی تقاضا ہے، کیونکہ دنیا میں ایک نبی کے آخری نبی ہونے سے خود بخود یہ لازم آتا ہے کہ وہ تمام انسانوں کے لیے اور اپنے بعد آنے والے ہر زمانے کے لیے ہادی و رہبر ہو۔ (۳) اُن کے ذریعہ سے وہ ہدایت مکمل طور پر دے دی گئی ہے جو راہِ راست پر چلنے کے لیے انسان کو درکار ہے[4]، اور یہ بھی اُن کے آخری نبی ہونے کا منطقی تقاضا ہے، کیونکہ مکمل ہدایت کے بغیر جو نبی بھیجا گیا ہو وہ آخری نبی نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کے بعد پھر ایک نبی کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ (۴) اور یہ ایک امر واقعہ ہے کہ ان کے بعد پچھلے چودہ سو سال میں کوئی ایسی شخصیت نہیں

---

[1] المؤمن: ۷۸ - [2] البقرہ: ۲۸۵ - النساء: ۱۵۰ تا ۱۵۲ -

[3] الاعراف: ۱۵۸ - الانعام: ۱۹ - سبا: ۲۸ - التکویر: ۲۷ - [4] المائدہ: ۳ -

آئی ہے جو خدا کی طرف سے نبی ہونے کا دعویٰ کرنے کے ساتھ اپنی سیرت و کردار اور اپنے کام اور کلام میں انبیاء سے کوئی ادنیٰ درجے کی بھی مشابہت رکھتی ہو، جس نے حامل وحی ہونے کا دعویٰ کرکے کوئی ایسی کتاب پیش کی ہو جو خدائی کلام سے برائے نام بھی کوئی مناسبت رکھتی ہو اور جسے شریعت دینے والا (LAW GIVER) نبی کہا جاسکتا ہو۔

۵۔ گفتگو کے اس مرحلے پر یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ خدا کی طرف سے انسان کو کس خاص علم کی ضرورت ہے جو صرف انبیاء ہی کے ذریعہ سے دیا گیا ہے؟

دنیا میں ایک قسم کی چیزیں وہ ہیں جنہیں ہم اپنے حواس کے ذریعہ سے محسوس کرسکتے ہیں یا اپنے فنی آلات (SCIENTIFIC INSTRUMENTS) سے کام لے کر ان کا ادراک کرسکتے ہیں اور ان ذرائع سے حاصل ہونے والی معلومات کو مشاہدات و تجربات اور فکر و استدلال کی مدد سے مرتب کرکے نئے نئے نتائج تک پہنچ سکتے ہیں۔ اس نوعیت کی اشیاء کا علم خدا کی طرف سے آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ہماری اپنی تلاش و جستجو، غور و فکر اور تحقیق و اکتشاف کا دائرہ ہے۔ اگرچہ اس معاملہ میں بھی ہمارے خالق نے ہمارا ساتھ بالکل چھوڑ نہیں دیا ہے۔ تاریخ کے دوران میں وہ غیر محسوس طریقے سے ایک تدریج کے ساتھ اپنی پیدا کی ہوئی دنیا سے ہمارا تعارف کراتا رہا ہے۔ علم و واقفیت کے دروازے ہم پر کھولتا رہا ہے۔ اور وقتاً فوقتاً الہامی طور پر کسی نہ کسی انسان کو ایسی کوئی بات سجھاتا رہا ہے جس سے وہ کوئی نئی ایجاد، یا کوئی نیا قانونِ فطرت دریافت کرنے پر قادر ہوسکا ہے۔ لیکن فی الجملہ ہے یہ انسانی علم ہی کا دائرہ جس کے لیے خدا کی طرف سے کسی نبی اور کتاب کے آنے کی حاجت نہیں ہے۔ اس دائرے میں جو معلومات مطلوب ہیں انہیں حاصل کرنے کے ذرائع انسان کو دے دیے گئے ہیں۔

دوسری قسم کی چیزیں وہ ہیں جو ہمارے حواس اور ہمارے فنی آلات کی پہنچ سے بالاتر ہیں۔ جنہیں نہ ہم تول سکتے ہیں، نہ ناپ سکتے ہیں، نہ اپنے ذرائعِ علم میں سے کوئی ذریعہ استعمال کرکے ان کے متعلق وہ واقفیت بہم پہنچا سکتے ہیں جسے "علم" (KNOWLEDGE) کہا جاسکتا ہو۔ فلسفی اور سائنس دان ان کے بارے میں اگر کوئی رائے قائم کرتے ہیں تو وہ محض قیاس (GUESS) اور ظن و تخمین (SPECULATION) ہے جسے علم نہیں کہا جاسکتا۔ یہ آخری حقیقتیں (ULTIMATE REALITIES) ہیں جن کے متعلق استدلالی نظریات کو خود وہ لوگ بھی یقینی قرار نہیں دے سکتے جنہوں نے ان نظریات کو پیش کیا ہے۔

اور اگر وہ اپنے علم کے حدود کو جانتے ہوں تو نہ اُن پہ خود ایمان لاسکتے ہیں نہ کسی کو ایمان لانے کی دعوت دے سکتے ہیں۔

یہی وہ دائرہ ہے جس میں انسان حقیقت کو جاننے کے لیے خالقِ کائنات کے دیے ہوئے علم کا محتاج ہے۔ اور خالق نے یہ علم کبھی اس طرح نہیں دیا ہے کہ کوئی کتاب چھاپ کر ایک ایک آدمی کے ہاتھ میں دے دی ہو، اور اس سے کہا ہو کہ اسے پڑھ کر خود معلوم کرلے کہ کائنات کی اور خود تیری حقیقت کیا ہے، اور اس حقیقت کے لحاظ سے دنیا کی زندگی میں تیرا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے۔ اِس علم کو انسانوں تک پہنچانے کے لیے اُس نے ہمیشہ انبیاء کو ذریعہ بنایا ہے، وحی کے ذریعہ سے اُن کو حقائق سے آگاہ کیا ہے اور اُنہیں اِس کام پر مامور کیا ہے کہ یہ علم لوگوں تک پہنچا دیں۔

۶ ۔ نبی کا کام صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ وہ بس حقیقت کا علم لوگوں تک پہنچا دے۔ بلکہ اس کا کام یہ بتانا بھی ہے کہ اِس علم کے مطابق خدا اور انسان کے درمیان اور انسان اور انسان کے درمیان کیا تعلق فی الحقیقت (FACTUALLY) ہے اور کیا تعلق عملاً (ACTUALLY) ہونا چاہیے۔ یہ علم کن عقائد کا، کن عبادات کا، کن اخلاقیات کا، اور کن اصولِ تہذیب و تمدن کا تقاضا کرتا ہے۔ اور اس علم کی رُو سے معاشرت، معیشت، مالیات (FINANCE)، سیاست، عدالت، صلح و جنگ، بین الاقوامی تعلقات، غرض زندگی کے ہر شعبے کی تشکیل کن اُصولوں پر ہونی چاہیے۔ نبی صرف ایک نظام عبادات و رسوم (RITUAL AND WORSHIP) لے کر نہیں آتا جسے دنیا کی اصطلاح میں مذہب (RELIGION) کہا جاتا ہے، بلکہ وہ ایک پورا نظام زندگی لے کر آتا ہے جس کا نام اسلام کی اصطلاح میں دین (WAY OF LIFE) ہے۔

۷ ۔ پھر یہ بھی نہیں ہے کہ نبی کا مشن صرف دین کا علم پہنچانے تک ہی محدود ہو۔ بلکہ اس کا مشن یہ بھی ہے کہ جو لوگ اُس کے پیش کردہ دین کو قبول کر کے مسلم بن جائیں انہیں وہ دین سمجھائے، اُس کے عقائد، اخلاقیات، عبادات، قانونی احکام اور مجموعی نظامِ حیات سے ان کو آگاہ کرے، ان کے سامنے خود ایک نمونے کا مسلمان بن کر دکھائے تاکہ وہ اپنی زندگی میں اس کی پیروی کرسکیں، انہیں انفرادی اور اجتماعی تربیت دے کر ایک صحیح اسلامی تہذیب و تمدن کے لیے عملاً تیار کرے، اور ان کو منظم کر کے ایک ایسی جماعت بنادے جو دنیا میں خدا کے دین کو بالفعل قائم کرنے کی جدوجہد کرے یہاں تک کہ خدا کا کلمہ بلند ہو جائے اور دوسرے کلمے پست ہو کر رہ جائیں۔ ضروری نہیں ہے کہ سب نبی اپنے اِس مشن کو کامیابی کے آخری مراحل تک پہنچانے میں کامیاب ہی ہوگئے ہوں۔

بہت سے انبیاء ایسے ہیں جو اپنے کسی قصور کی بنا پر نہیں بلکہ متعصب لوگوں کی مزاحمت اور حالات کی نامساعدت کے باعث اس میں ناکام ہو گئے ۔ لیکن بہر حال تمام انبیاء کا مشن تھا یہی ۔ البتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت تاریخ میں نمایاں ہے کہ انہوں نے خدا کی بادشاہی زمین میں اسی طرح قائم کر کے دکھا دی جیسی وہ آسمان میں ہے۔

۸ ۔ قرآن مجید اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آغاز ہی سے اپنا خطاب یا تو تمام انسانوں کے لیے عام رکھا ہے، یا پھر انسانوں میں سے جو بھی اسلام کی دعوت کو قبول کر لیں اُن کو مومن ہونے کی حیثیت سے مخاطب کیا ہے ۔ قرآن مجید کو اوّل سے لے کر آخر تک دیکھ جایئے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریروں اور گفتگووں کے پورے ریکارڈ کی بھی چھان بین کر لیجیے ۔ آپ کہیں یہ نہ دیکھیں گے کہ اِس کتاب نے اور اس کے لانے والے رسول ؐ نے کسی خاص ملک یا قوم یا نسل یا رنگ یا طبقے کے لوگوں کو، یا کسی خاص زبان کے بولنے والوں کو پکارا ہو ۔ ہر جگہ یا تو یا بنی آدم "اے اولادِ آدم"، یا اَیُّھَا النَّاسُ "اے انسانو" کہہ کر پوری نوعِ انسانی کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی ہے، یا پھر اسلام قبول کرنے والوں کو احکام اور ہدایات دینے کے لیے اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا، "اے لوگو جو ایمان لائے ہو" کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ اِس سے خود بخود یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کی دعوت عالمگیر (UNIVERSAL) ہے، اور جو انسان بھی اس دعوت کو قبول کر لیں وہ بالکل برابر کے حقوق کے ساتھ یکساں حیثیت میں مومن (BELIEVER) ہیں۔ قرآن کہتا ہے "اہل ایمان تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں[۱]"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو لوگ بھی اسلام کے عقائد قبول کر لیں اور مسلمانوں کا سا طرزِ عمل اختیار کر لیں، اُن کے حقوق وہی ہیں جو ہمارے حقوق ہیں اور اُن کے واجبات بھی وہی ہیں جو ہمارے واجبات ہیں[۲]۔ اس سے بھی زیادہ صراحت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سنو، تمہارا رب بھی ایک ہے اور تمہارا باپ (آدم) بھی ایک ۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں اور کسی عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں ۔ نہ کوئی کالا کسی گورے پر فضیلت رکھتا ہے اور نہ کوئی گورا کسی کالے پر ۔ فضیلت ہے تو خدا ترسی کی بنا پر ہے۔ تم میں سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک عزت والا وہ ہے جو سب سے بڑھ کر پرہیزگار ہے[۳]۔

---

[۱] الحجرات: ۱۰ ۔ [۲] بخاری، صلاۃ، ۲۸ ۔ نسائی، تحریم، ۲ ۔

[۳] مسند احمد، جلد ۵، ص ۴۱۱ ۔ بیہقی، کتاب الحج ۔ بخاری و مسلم بمعنیٰ ۔ زادالمعاد لابن القیم، ج ۴، ص ۳۱ ۔

۹ - اسلام کی بنیاد جن عقائد پر ہے اُن میں سب سے مُقدّم اور سب سے اہم خدائے واحد پر ایمان ہے۔ — صرف اِس بات پر نہیں کہ خدا موجود ہے، اور صرف اِس بات پر بھی نہیں کہ وہ ایک ہے، بلکہ اِس بات پر کہ وہی تنہا اِس کائنات کا خالق، مالک (MASTER)، حاکم (RULER) اور مدبّر[1] (ADMINISTRATOR) ہے۔ اُسی کے قائم رکھنے سے یہ کائنات قائم ہے اُسی کے چلانے سے یہ چل رہی ہے، اور اِس کی ہر چیز کو اپنے قیام و بقا کے لیے جس رزق (SUBSISTENCE) یا قوت (ENERGY) کی ضرورت ہے اس کا فراہم کرنے والا وہی ہے[2]۔ حاکمیت کی تمام صفات (ATTRIBUTES OF SOVEREIGNTY) صرف اُسی میں پائی جاتی ہیں، اور کوئی اُن میں ذرہ برابر بھی اُس کے ساتھ شریک نہیں ہے[3]۔ خداوندی و اُلوہیت (DIVINITY) کی جملہ صفات کا بھی صرف وہی حامل ہے، اور ان میں سے بھی کوئی صفت اُس کی ذات کے سوا کسی کو حاصل نہیں[4]۔ پوری کائنات کو اور اس کی ایک ایک چیز کو وہ بیک نظر دیکھ رہا ہے۔ کائنات اور اس کی ہر شے کو وہ براہ راست جانتا ہے —— نہ صرف اس کے حال کو، بلکہ اس کے ماضی اور مستقبل کو بھی۔ یہ نگاہِ ہمہ بیں اور یہ جامع علم غیب اُس کے سوا کسی کو حاصل نہیں[5]۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کے سوا سب فانی ہیں اور اپنی ذات سے خود زندہ و باقی صرف وہی ہے[6]۔ وہ نہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی

---

[1] الانعام: ۱۰۳ - الرعد: ۱۶ - طٰہٰ: ۴ تا ۸ - الاعراف: ۵۴ - السجدہ: ۵ - البقرہ: ۱۰۷ - الفرقان: ۲ -

[2] فاطر: ۳، ۴۱ - الذاریات: ۵۸ - الانعام: ۱۶۴ -

[3] الانعام: ۱۸، ۵۷ - الکہف: ۲۶، ۲۷ - الحدید: ۵ - الحشر: ۲۳ - الملک: ۱ - یٰسٓ: ۸۳ - الفتح: ۱۱ - یونس: ۱۰۷ - الجن: ۲۲ - المومنون: ۸۸ - البروج: ۱۶ - المائدہ: ۱ - الرعد: ۴۱ - الانبیاء: ۲۳ - التین: ۸ - آل عمران: ۲۶، ۸۳، ۱۵۴ - الاعراف: ۱۲۸ -

[4] مریم: ۸۱، ۸۲ - یٰسٓ: ۷۴ - ہود: ۱۰۱ - النحل: ۱۷، ۲۰، ۲۲، ۵۱ - الاحقاف: ۲۷، ۲۸ - یٰسٓ: ۲۲، ۲۳ - یونس: ۱۸ - الزخرف: ۸۴ - فاطر: ۳ - الانعام: ۴۶ - القصص: ۷۰، ۷۲ - سبا: ۲۲، ۲۳ - الزمر: ۵، ۶ - النمل: ۶۰، ۶۴ - الفرقان: ۳ - النحل: ۳ تا ۵ -

[5] الملک: ۱۳، ۱۴، ۱۹ - الکہف: ۲۶ - قٓ: ۱۶ - الحدید: ۴ - النمل: ۶۵ - سبا: ۲، ۳ - الانعام: ۵۹ -

[6] الحدید: ۳ - القصص: ۸۸ - الرحمٰن: ۲۷ - البقرہ: ۲۵۵ - المومن: ۶۵ -

اس کی اولاد۔ اُس کی ذات کے سوا دنیا میں جو بھی ہے وہ اس کی مخلوق ہے اور دنیا میں کسی کی بھی یہ حیثیت نہیں ہے کہ اُس کو کسی معنی میں بھی ربِّ کائنات (LORD OF THE UNIVERSE) کا ہم جنس یا اُس کا بیٹا یا بیٹی کہا جا سکے[1]۔ وہی انسان کا حقیقی معبود ہے، کسی کو عبادت میں اس کے ساتھ شریک کرنا سب سے بڑا گناہ اور سب سے بڑی بے وفائی (INFIDALITY) ہے۔ وہی انسان کی دُعائیں سُننے والا ہے اور انہیں قبول کرنے یا نہ کرنے کے اختیارات وہی رکھتا ہے۔ اُس سے دُعا نہ مانگنا بے جا غرور ہے، اس کے سوا کسی اور سے دُعا مانگنا جہالت ہے، اور اس کے ساتھ دوسروں سے بھی دعا مانگنا خدائی میں غیر خدا کو خدا کے ساتھ شریک ٹھیرانا ہے[2]۔

۱۰۔ اسلام کی رُو سے خدا کی حاکمیت صرف فوق الفطری ہی نہیں بلکہ سیاسی اور قانونی بھی ہے اور اِس حاکمیت میں بھی کوئی اُس کا شریک نہیں۔ اُس کی زمین پر، اور اُس کے پیدا کیے ہوئے بندوں پر اُس کے سوا کسی کو حکم چلانے کا اختیار نہیں ہے، خواہ وہ کوئی بادشاہ ہو، یا شاہی خاندان ہو، یا حکمراں طبقہ ہو، یا کوئی ایسی جمہوریت ہو جو حاکمیتِ عوام (SOVEREIGNTY OF THE PEOPLE) کی قائل ہو۔ اُس کے مقابلے میں جو خود مختار بنتا ہے وہ بھی باغی ہے، اور جو اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی اطاعت کرتا ہے وہ بھی باغی۔ اور ایسا ہی باغی وہ شخص یا ادارہ ہے جو سیاسی و قانونی حاکمیت کو اپنے لیے مخصوص کر کے خدا کے حدود اختیار (JURISDICTION) کو شخصی قانون (PERSONAL LAW) یا مذہبی احکامُ ہدایات تک محدود کرتا ہے۔ فی الحقیقت اپنی زمین پر اپنے پیدا کیے ہوئے انسانوں کے لیے شریعت دینے والا (LAW GIVER) اس کے سوا نہ کوئی ہے، نہ ہو سکتا ہے، اور نہ کسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اُس کے اقتدارِ اعلیٰ (SUPREME AUTHORITY) کو چیلنج کرے[3]۔

---

[1] الاخلاص: ۳، ۴ - البقرہ: ۱۱۶، ۱۱۷ - الانعام: ۱۰۲ - المومنون: ۹۱ - الکہف: ۴، ۵ - مریم: ۳۵، ۸۸ تا ۹۳ -

[2] القصص: ۸۸ - الزمر: ۳، ۵، ۶، ۴۴، ۶۲ - الاعراف: ۵۸، ۶۴، ۶۲، ۸۴ - یونس: ۱۸ - لقمٰن: ۱۳ -
سبا: ۲۲ - صٓ: ۶۵ - المومن: ۶۰ - النحل: ۳۶ -

[3] الفرقان: ۴۳ - التوبہ: ۳۱ - الشوریٰ: ۱۰، ۲۱ - المومنون: ۱۱۶ - الناس: ۱، ۲، ۳ - یوسف: ۴۰ - الاعراف: ۳، ۵۴ -
المائدہ: ۳۸ تا ۴۰، ۵۰ - البقرہ: ۱۶۸، ۱۸۰ تا ۱۸۲، ۲۲۹، ۲۳۲ - النساء: ۱۱، ۶۰، ۱۷۶ - الجاثیہ: ۱۸ -
المائدہ: ۴۴، ۴۵، ۴۷، ۵۰ - النحل: ۱۱۶ - النور: ۲ تا ۹ - آل عمران: ۶۴ -

۱۱ - اسلام کے اِس تصورِ خدا کی رُو سے چند باتیں فطری طور پر لازم آتی ہیں: (۱) خدا ہی اکیلا انسان کا حقیقی معبود (یا بالفاظِ دیگر مستحقِ عبادت) ہے جس کے سوا کسی اور کی یہ حیثیت ہی نہیں ہے کہ انسان اُس کی عبادت کرے، (۲) وہی اکیلا کائنات کی تمام قوتوں پر حاکم ہے اور انسان کی دُعاؤں کا پورا کرنا یا نہ کرنا بالکل اُس کے اختیار میں ہے، اس لیے انسان کو صرف اسی سے دعا مانگنی چاہیے اور کسی کے متعلق یہ گمان تک نہ کرنا چاہیے کہ اس سے بھی دُعا مانگی جا سکتی ہے، (۳) وہی اکیلا انسان کی قسمت (DESTINY) کا مالک ہے اور کسی دوسرے میں یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ انسان کی قسمت بنا سکے یا بگاڑ سکے۔ اس لیے انسان کی اُمید اور اس کے خوف، دونوں کا مرجع بھی لازماً وہی ہے۔ اُس کے سوا نہ کسی سے اُمیدیں وابستہ کرنی چاہییں، نہ کسی سے ڈرنا چاہیے۔ (۴) وہی اکیلا انسان اور اس کے گرد و پیش کی دُنیا کا خالق و مالک ہے، اس لیے انسان کی حقیقت اور تمام دنیا کے حقائق کا براہ راست اور کامل علم صرف اسی کو ہے اور ہو سکتا ہے۔ پس وہی زندگی کی پیچ پیچ (COMPLICATED) راہوں میں انسان کو صحیح ہدایت اور صحیح قانونِ حیات دے سکتا ہے۔ (۵) پھر چونکہ انسان کا خالق و مالک وہ ہے اور وہی اِس زمین کا مالک ہے جس میں انسان رہتا ہے اس لیے انسانوں پر کسی دوسرے کی حاکمیت یا خود اپنی حاکمیت سراسر کفر (BLASPHEMY) ہے۔ اور اسی طرح انسان کا خود اپنا قانون ساز (LAW GIVER) بننا، یا کسی اور شخص یا اشخاص یا اداروں کے اختیارِ قانون سازی کو ماننا بھی یہی نوعیت رکھتا ہے۔ اپنی زمین پر اپنی مخلوق کا حاکم اور قانون ساز حتماً صرف وہی ہو سکتا ہے، اور (۶) اقتدارِ اعلیٰ کا حقیقی مالک ہونے کی حیثیت سے اس کا قانون درحقیقت بالاتر قانون (SUPREME LAW) ہے اور انسان کے لیے قانون سازی (LEGISLATION) کا اختیار صرف اُسی حد تک ہے جس حد تک وہ اُس بالاتر قانون کے تحت اور اس سے ماخوذ ہو، یا اس کی دی ہوئی اجازتوں پر مبنی ہو۔

۱۲ - اس مرحلے پر ہمارے سامنے اسلام کا دوسرا اہم ترین بنیادی عقیدہ آتا ہے، اور وہ ہے عقیدۂ رسالت۔ رسول وہ شخص ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنا قانون انسان کو دیتا ہے، اور یہ قانون ہم کو رسول سے دو صورتوں میں ملتا ہے۔ ایک، کلام اللہ، جو لفظ بلفظ رسول پر نازل کیا گیا ہے، یعنی قرآن مجید۔ دوسرے وہ اقوال اور اعمال، اور احکام امر و نہی جو رسول نے اپنے پیروؤں کو خدا کی ہدایت کے تحت دیے، یعنی سُنّت۔ اس عقیدے کی اہمیت یہ ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو خدا پر ایمان محض ایک نظری (THEORETICAL)

فکر و خیال بن کر رہ جاتا ہے۔ عملاً جو چیز خدا پرستی کے عقیدے کو ایک تہذیب، ایک تمدن، اور ایک نظام حیات کی شکل میں ڈھالتی ہے وہ رسول کی فکری (IDEOLOGICAL) اور عملی رہنمائی ہے۔ اسی کے ذریعے سے ہمیں قانون ملتا ہے اور وہی اس قانون کے منشا کے مطابق زندگی کا نظام قائم کرتا ہے۔ اسی لیے توحید کے بعد رسالت پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص عملاً مسلم نہیں ہو سکتا۔[۱]

۱۳۔ اسلام میں رسول کی حیثیت اس طرح واضح طور پر بیان کی گئی ہے کہ ہم ٹھیک ٹھیک یہ بھی جان سکتے ہیں کہ رسول کیا ہے اور یہ بھی کہ وہ کیا نہیں ہے۔

رسول لوگوں کو اپنا نہیں بلکہ اللہ کا بندہ بنانے کے لیے آتا ہے،[۲] اور وہ خود بھی اپنے آپ کو اللہ کا بندہ ہی کہتا ہے۔ نماز میں ہر روز کم از کم ۹ مرتبہ جو کلمہ شہادت پڑھنے کی تعلیم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دی ہے اس میں یہ فقرہ لازماً پڑھا جاتا ہے کہ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں[۳])۔ قرآن مجید اس معاملہ میں کسی ادنیٰ اشتباہ کی گنجائش بھی نہیں چھوڑتا کہ رسول ایک انسان ہے اور خدائی (DIVINITY) میں اس کا ذرہ برابر بھی کوئی حصہ نہیں ہے۔[۴] وہ نہ فوق البشر ہے، نہ بشری کمزوریوں سے بالاتر ہے، نہ خدا کے خزانوں کا مالک ہے، نہ عالم الغیب ہے کہ اس کو خدا کی طرح سب کچھ معلوم ہو۔[۵] وہ دوسروں کے لیے نافع و ضار ہونا تو درکنار خود اپنے لیے بھی کسی نفع و ضرر کا اختیار نہیں رکھتا۔[۶] اس کا کام پیغام پہنچا دینا ہے، اس کے اختیار میں کسی کو راہ راست پر لے آنا نہیں ہے، نہ انکار کرنے والوں کا محاسبہ کرنا اور ان پر عذاب نازل کر دینا اس کے اختیار میں ہے۔[۷] وہ خود اگر اللہ کی نافرمانی کرے (معاذ اللہ)، یا اپنی طرف سے کوئی چیز گھڑ کر خدا کی طرف

---

[۱] النور: ۶۲۔ الحجرات: ۱۵۔ [۲] آل عمران: ۷۹۔

[۳] بخاری، کتاب ۲، ابواب ۱۵۳، ۱۵۴۔ یہی حدیث مسلم، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، موطا، اور مسند احمد میں بھی روایت کی گئی ہے اور یہ متفق علیہ ہے۔

[۴] الکہف: ۱۱۱۔ حٰمٓ السجدہ: ۶۔ بنی اسرائیل: ۹۰ تا ۹۳۔

[۵] الانعام: ۵۰۔ الاعراف: ۱۸۸۔ [۶] الانعام: ۱۷۔ یونس: ۴۹۔

[۷] الانعام: ۵۷، ۵۸۔ الرعد: ۴۰۔ القصص: ۵۶۔ الزمر: ۴۱۔ الغاشیہ: ۲۲۔

منسوب کر دے، یا خدا کی وحی میں بطورِ خود ذرہ برابر بھی ردّ و بدل کرنے کی جسارت کر ڈالے تو وہ خدا کے عذاب سے نہیں بچ سکتا[۱]۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں میں سے ایک ہیں، رسالت سے بالاتر کسی حیثیت کے مالک نہیں ہیں[۲]۔ وہ اپنے اختیار سے کسی چیز کو حلال اور کسی کو حرام کرنے، یا بالفاظِ دیگر خدا کے اذن کے بغیر بطورِ خود قانون ساز بن جانے کے مجاز نہیں ہیں[۳]۔ ان کا کام اُس وحی کا اتباع کرنا ہے جو اُن پر خدا کی طرف سے نازل ہو[۴]۔

اس طرح اسلام نے اُن تمام مُبالغوں سے نوعِ انسانی کو بچا لیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آنے والے انبیاء کے پیرووں نے اپنے پیشواؤں کے حق میں کیے تھے، حتیٰ کہ ان کو خدا، یا اس کا ہم جنس، یا اس کی اولاد، یا اس کا اوتار (INCARNATION) تک بنا ڈالا تھا۔ اس طرح کے تمام مبالغوں کی نفی کر کے اسلام نے رسول کی جو اصل حیثیت بیان کی ہے وہ یہ ہے۔

رسول پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا[۵]۔ جو شخص رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ دراصل اللہ کی اطاعت کرتا ہے کیونکہ اللہ نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لیے بھیجا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے[۶]۔ ہدایت وہی پا سکتا ہے جو رسول کی اطاعت کرے[۷]۔ رسول جو حکم دے اسے قبول کرنا چاہیے اور جس سے منع کرے اس سے رُک جانا چاہیے[۸]۔ (اس امر کی وضاحت خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمائی ہے کہ میں ایک بشر ہی ہوں۔ جو حکم میں تمہارے دین کے معاملہ میں دوں اس کی پیروی کرو اور جو بات اپنی رائے سے کہوں تو میں بھی ایک بشر ہوں۔ اپنی دُنیا کے معاملات کو تم زیادہ جانتے ہو[۹])۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت دراصل قرآن مجید کے منشا کی تشریح ہے، اور یہ تشریح قرآن مجید کے مصنّف، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو خود سکھائی تھی، اس لیے ان کی تشریح اپنے پیچھے خدائی سند (AUTHORITY) رکھتی ہے جس سے ہٹ کر کوئی شخص

۱۔ البقرہ: ۱۲۰، ۱۴۵۔ یونس: ۱۵۔ الحاقہ: ۴۴ تا ۴۷۔ ۲۔ آل عمران: ۱۴۴۔ یٰسٓ: ۳۔ الاحقاف: ۹۔ النجم: ۵۶۔
۳۔ التحریم: ۱۔ ۴۔ الانعام: ۵۰۔ یونس: ۱۵۔ الاحقاف: ۹۔ ۵۔ النور: ۶۲۔ الحجرات: ۱۵۔
۶۔ آل عمران: ۵۰۔ النساء: ۶۴، ۸۰۔ الشعراء: ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۲۶، ۱۳۱، ۱۴۴، ۱۵۰، ۱۶۳، ۱۷۹۔
الزخرف: ۶۳۔ نوح: ۳۔ ۷۔ النور: ۵۴۔ ۸۔ الحشر: ۷۔
۹۔ مسلم، کتاب ۴۳، حدیث ۱۳۹ تا ۱۴۱۔ مُسند احمد، جلد اوّل، ص ۱۶۲۔ جلد ثالث ص ۱۵۲۔

قرآن مجید کی کوئی تشریح بطور خود کرنے کا مجاز نہیں ہے[۱]۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کی زندگی کو نمونے کی زندگی قرار دیا ہے[۲]۔ کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ رسول کے فیصلے کو تسلیم نہ کرے[۳]۔ مسلمانوں کا یہ کام نہیں ہے کہ جس معاملے کا فیصلہ خدا اور رسول نے کر دیا ہو اس میں وہ خود کوئی فیصلہ کرنے کے مجاز ہوں[۴]۔ بلکہ مسلمانوں کا یہ کام بھی نہیں ہے کہ کسی پیش آمدہ معاملے میں کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے یہ نہ دیکھ لیں کہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم اس معاملے میں کیا ہے[۵]۔

مذکورۂ بالا بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کے ذریعہ سے انسان کو صرف ایک بالاتر قانون (SUPREME LAW) ہی نہیں دیا ہے، بلکہ مستقل اقدار (PERMANENT VALUES) بھی دی ہیں۔ قرآن مجید اور سنت میں جس چیز کو خیر قرار دیا گیا ہے وہ ہمیشہ کے لیے خیر ہے، جس چیز کو شر کہا گیا ہے وہ ہمیشہ کے لیے شر ہے، جو چیز فرض کی گئی ہے وہ ہمیشہ کے لیے فرض ہے، جس چیز کو حلال ٹھیرایا گیا ہے وہ ہمیشہ کے لیے حلال ہے، اور جو چیز حرام کی گئی ہے وہ ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔ اس قانون میں کسی قسم کی ترمیم، یا حذف و اضافہ، یا تنسیخ (ABROGATION) کا اختیار کسی کو حاصل نہیں ہے، اِلّا یہ کہ کوئی شخص، یا گروہ، یا قوم اسلام ہی کو چھوڑ دینے کا ارادہ رکھتی ہو۔ جب تک مسلمان مسلمان ہیں ان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ کل کا شر آج خیر ہو جائے، اور پرسوں پھر شر ہو جائے۔ کوئی قیاس، کوئی اجتہاد، کوئی اجماع اس قسم کی تبدیلی کا مجاز نہیں ہے۔

۱۴۔ اسلام کا تیسرا بنیادی عقیدہ آخرت ہے، اور اس کی اہمیت یہ ہے کہ اُس کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے اور خدا، رسول، قرآن، کسی چیز کا ماننا بھی اسے کفر سے نہیں بچا سکتا[۶]۔ یہ عقیدہ اپنی تفصیلی صورت میں چھ لازمی تصورات پر مشتمل ہے۔

(۱) دنیا میں انسان غیر ذمہ دار (IRRESPONSIBLE) بنا کر نہیں چھوڑ دیا گیا ہے، بلکہ وہ اپنے خالق کے سامنے جواب دہ ہے۔ دنیا کی موجودہ زندگی دراصل انسان کے امتحان اور آزمائش

---

[۱] النحل: ۴۴۔ القیٰمہ: ۱۷ تا ۱۹۔ [۲] الاحزاب: ۲۱۔ [۳] النساء: ۶۵۔
[۴] الاحزاب: ۳۶۔ [۵] الحجرات: ۱۔ [۶] الانعام: ۳۰، ۳۱۔ یونس: ۴۵۔ الرعد: ۵۔ المومنون: ۳۳۔ الفرقان: ۱۱۔ سبا: ۷، ۸۔ صٓ: ۲۶ تا ۲۸۔ قٓ: ۲ تا ۴۔ التغابن: ۷۔

سکے لیے ہے۔ اس کے خاتمے کے بعد اسے اپنے کارنامۂ حیات کا حساب خدا کو دینا ہو گا۔[۱]

(۲) اِس محاسبے کے لیے اللہ نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ نوعِ انسانی کو دنیا میں کام کرنے کے لیے جتنی مہلت دینے کا اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا ہے اس کے اختتام پر قیامت برپا ہو گی جس میں دنیا کا موجودہ نظام درہم برہم کر دیا جائے گا اور ایک دوسرا نظامِ عالم نئے طرز پر برپا کیا جائے گا۔ اُس نئی دُنیا میں وہ تمام انسان دوبارہ زندہ کر کے اُٹھائے جائیں گے جو ابتدائے آفرینش سے قیامت تک پیدا ہوئے تھے۔[۲]

(۳) اُس وقت ان سب کو بیک وقت خداوندِ عالم کی عدالت میں پیش کیا جائے گا اور ہر شخص کو اپنی ذاتی حیثیت میں اُن اعمال کی جواب دہی کرنی ہو گی جو اس نے خود اپنی ذمہ داری پر دنیا میں کیے ہوں گے۔[۳]

(۴) وہاں اللہ تعالیٰ صرف اپنے ذاتی علم پر فیصلہ نہیں کر دے گا بلکہ عدل کی تمام شرائط پوری کی جائیں گی۔ ہر شخص کے کارنامۂ حیات کا پورا ریکارڈ بے کم و کاست عدالت کے سامنے رکھ دیا جائے گا اور بے شمار اقسام کی شہادتیں اِس امر کے ثبوت میں پیش کر دی جائیں گی کہ اُس نے خفیہ اور عَلانیہ کیا کچھ کیا ہے اور کس نیت سے کیا ہے۔[۴]

(۵) اللہ کی عدالت میں کوئی رشوت، کوئی بے جا سفارش اور کوئی خلافِ حق وکالت نہ چل سکے گی۔ کسی کا بوجھ دوسرے پر نہ ڈالا جائے گا۔ کوئی قریب سے قریب عزیز یا دوست یا لیڈر یا مذہبی پیشوا یا خود ساختہ معبود کسی کی مدد کے لیے آگے نہ بڑھے گا۔ انسان وہاں تن تنہا بالکل بے یار و مددگار کھڑا ہوا اپنا حساب دے رہا ہو گا، اور فیصلہ صرف اللہ کے اختیار میں ہو گا۔[۵]

---

[۱] الکہف: ۷ - الملک: ۲ - القیامۃ: ۳۶ - الدہر: ۲ - التکویر: ۸، ۹ - المطففین: ۱ تا ۶ - التکاثر: ۸ -

[۲] الزمر: ۶۸ - الدخان: ۴۰ - الواقعہ: ۴۹، ۵۰ -

[۳] الانعام: ۹۳، ۹۴ - مریم: ۸۱، ۹۶ -

[۴] الکہف: ۴۹ - النور: ۲۴ - یٰس: ۱۲، ۶۵ - الزمر: ۶۹ - حٰمٓ السجدہ: ۲۰، ۲۱ - الزخرف: ۸۰ - الجاثیہ: ۲۸، ۲۹ - قٓ: ۱۷، ۱۸ - القمر: ۵۲، ۵۳ - الانفطار: ۱۰ تا ۱۲ - الطارق: ۹، ۱۰ - الزلزال: ۲ تا ۸ -

[۵] البقرۃ: ۱۶۶، ۱۶۷، ۲۵۴ - یونس: ۲۸ - ابراہیم: ۲۱، ۳۱ - النحل: ۸۶ - مریم: ۸۱، ۸۲ - القصص: ۶۲ تا ۶۸ - فاطر: ۱۸ - المومن: ۱۸ - الاحقاف: ۵، ۶ - المعارج: ۱۰ تا ۱۴ - عبس: ۳۴ تا ۳۷ - الانفطار: ۱۹ -

(۶) فیصلے کا سارا دارومدار اس بات پر ہوگا کہ انسان نے دنیا میں انبیاء کے بتائے ہوئے حق کو مان کر اور آخرت میں اپنی جواب دہی کو محسوس کر کے ٹھیک ٹھیک اللہ کی بندگی کی یا نہیں۔ پہلی صورت میں اس کے لیے جنت ہے، اور دوسری صورت میں دوزخ[۱]

۱۵ - یہ عقیدہ تین اقسام کے انسانوں کی زندگی کے طریقوں کو ایک دوسرے سے بالکل ہی مختلف کر دیتا ہے۔ ایک قسم کے انسان وہ ہیں جو آخرت کے قائل نہیں ہیں اور بس اسی دنیا کی زندگی کو زندگی سمجھتے ہیں وہ لامحالہ خیر و شر کا معیار اعمال کے اُن نتائج ہی کو سمجھیں گے جو اس دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یہاں جس عمل کا نتیجہ اچھا یا مفید ہو وہ اُن کے نزدیک خیر ہوگا اور جس کا نتیجہ بُرا یا نقصان دہ ہوگا وہی ان کے نزدیک شر ہوگا۔ بلکہ بارہا نتائج عمل کے لحاظ سے ایک ہی چیز ایک وقت میں خیر اور دوسرے وقت میں شر ہوگی۔ دوسری قسم کے آدمی وہ ہیں جو آخرت کو تو مانتے ہیں مگر ان کو یہ بھروسہ ہے کہ کسی کی سفارش اللہ کی عدالت میں انہیں بچا لے گی، یا کوئی ان کے گناہوں کا کفارہ پہلے ہی دے چکا ہے، یا وہ اللہ کے چہیتے ہیں اس لیے انہیں بڑے سے بڑے گناہوں کی سزا بھی برائے نام دی جائے گی۔ یہ چیز عقیدۂ آخرت کے تمام اخلاقی فوائد کو ضائع کر کے دوسری قسم کے لوگوں کو بھی پہلی قسم کے اشخاص کی صف میں لے جاتی ہے۔ تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو عقیدۂ آخرت کو ٹھیک اُس شکل میں مانتے ہیں جس شکل میں اسلام انہیں پیش کرتا ہے، اور کسی کفارے یا بے جا سفارش یا اللہ سے کسی خاص تعلق کی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہیں[۲]۔ ان کے لیے یہ عقیدہ ایک بہت بڑی اخلاقی طاقت رکھتا ہے۔ جس شخص کے ضمیر میں آخرت کا یقین اپنی صحیح صورت میں جاگزیں ہو جائے اُس کا حال ایسا ہوگا جیسے اس کے سامنے ہر وقت ایک نگران لگا ہوا ہو جو بُرائی کے ہر ارادے پر اُسے ٹوکتا، ہر اقدام پر اسے روکتا اور ہر عمل پر اسے سرزنش کرتا ہے۔ باہر کوئی گرفت کرنے والی پولیس، کوئی شہادت دینے والا گواہ، کوئی سزا دینے والی عدالت، اور کوئی ملامت کرنے والی رائے عام موجود ہو یا نہ ہو، اس کے اندر ایک سخت گیر محتسب ہر وقت بیٹھا رہے گا جس کی پکڑ کے خوف سے وہ کبھی خلوت میں، یا جنگل میں، یا اندھیرے میں، یا کسی سنسان جگہ میں بھی خدا کے مقرر کردہ فرض سے فرار، اور اس کے مقرر کردہ حرام کے ارتکاب کا حوصلہ نہ کر سکے گا، اور بالفرض اگر کر بھی گزرے تو بعد میں شرمندہ ہوگا اور توبہ کرے گا۔ اس سے بڑھ کر اخلاقی اصلاح، اور انسان کے اندر ایک مستحکم کردار پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ خدا کا بالاتر قانون جو مستقل اقدار

---

[۱] الکہف: ۱۰۵، ۱۰۶۔ القصص: ۶۵۔ الزمر: ۷۱۔ الملک: ۸ تا ۱۱۔ النازعات: ۳۷ تا ۴۱۔

[۲] البقرہ: ۸۰، ۸۱، ۱۲۳، ۲۵۵۔ آل عمران: ۲۴، ۷۷۔ النساء: ۱۰۷ تا ۱۰۹۔ المائدہ: ۱۸۔ الانعام: ۵۱۔ یونس: ۳۔ طٰہٰ: ۱۰۹۔ النجم: ۲۶۔

انسان کو دیتا ہے اُن پر مضبوطی کے ساتھ انسان کے کاربند ہونے اور ان سے کسی حالت میں اس کے نہ ہٹنے کا انحصار اِسی عقیدے پر ہے۔ اسی لیے اسلام میں اِس کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو خدا اور رسالت پر ایمان بھی بے کار ہے۔

۱۶ - اسلام، جیسا کہ میں پیراگراف ۳ میں بیان کر چکا ہوں، ایک پوری تہذیب، ایک جامع تمدن، اور ایک ہمہ گیر (COMPREHENSIVE) نظامِ حیات ہے، اور انسانی زندگی کے تمام گوشوں میں اخلاقی رہنمائی دیتا ہے، اس لیے اس کے اخلاقیات دراصل تارک الدنیا راہبوں اور جوگیوں اور سنیاسیوں کے لیے نہیں ہیں، بلکہ ان لوگوں کے لیے ہیں جو زندگی کے مختلف شعبوں کو چلاتے، یا ان کے اندر کام کرتے ہیں۔ اخلاق کی جو بلندیاں دنیا، خانقاہوں، راہبوں اور صومعوں (CONVENTS ، MONASTRIES ، CLOISTERS) میں تلاش کرتی تھی، اسلام ان کو زندگی کے بیچ منجدھار میں لے آنا چاہتا ہے۔ اس کا منشا یہ ہے کہ حکومتوں کے فرمانروا، صوبوں کے گورنر، عدالتوں کے جج، فوج اور پولیس کے افسر، پارلیمنٹوں کے ممبر، مالیات اور صنعت و حرفت کے کارفرما، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ و طلبہ، بچوں کے باپ، باپوں کے بچے، عورتوں کے شوہر اور شوہروں کی عورتیں، ہمسایوں کے ہمسایے، غرض سب ان اخلاقیات سے آراستہ ہوں۔ وہ چاہتا ہے کہ ہر گھر میں بھی اسی اخلاق کی فرمانروائی ہو اور محلے اور بازار میں بھی اسی کا چلن ہو۔ وہ چاہتا ہے کہ کاروبار کے سارے ادارے اور حکومت کے سارے محکمے اسی کی پیروی کریں۔ سیاست سچائی اور انصاف پر مبنی ہو۔ قومیں حق شناسی اور ادائے حقوق پر ایک دوسرے سے معاملہ کریں۔ جنگ بھی ہو تو شرافت اور تہذیب کے ساتھ ہو نہ کہ بھیڑیوں کی سی درندگی کے ساتھ۔ انسان جب خدا ترسی اختیار کرے، خدا کے قانون کو بالاتر مان لے، خدا کے سامنے اپنی جواب دہی کو یاد رکھ کر مستقل اقدار کا پابند ہو جائے، تو پھر اس کی یہ صفت صرف عبادت گاہ تک محدود نہیں رہنی چاہیے بلکہ جس حیثیت میں بھی وہ دنیا کے اندر کام کر رہا ہے خدا کے سچے اور وفادار بندے کی طرح ہی کام کرے۔

یہ ہے مختصراً وہ چیز جس کا اسلام علمبردار ہے۔ اور یہ محض کسی فلسفی کی خیالی جنت (UTOPIA) نہیں ہے بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عملاً برپا کر کے دکھا دیا اور آج چودہ سو برس گزر جانے پر بھی اس کے اثرات مسلم معاشرے میں کم و بیش پائے جاتے ہیں۔